"اتاترک"

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

"۶۰ سال پہلے" کے انتخاب کے لیے' ترجمان القرآن کی ورق گردانی کرتے ہوئے' اتاترک نامی ایک کتاب پر سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا تبصرہ نظر سے گزرا۔ پاکستان کے موجودہ چیف ایگزیکٹو کی زبان سے' غالباً ان کی ترکی میں تعلیم کے حوالے سے' اتاترک کا تذکرہ کچھ زیادہ ہی ہو گیا ہے۔ اس پس منظر میں' مناسب معلوم ہوا کہ اس دور کے قارئین کے لیے یہ تبصرہ دوبارہ شائع کیا جائے۔ جناب محمد مرزا صاحب دہلوی کی ۲۸۸ صفحات کی اس کتاب کی قیمت ۶۰ سال پہلے دو روپے تھی۔ (مدیر)

مصنف نے ازراہ انکسار اس کتاب کو اتاترک کی سوانح عمری قرار دیا ہے لیکن اگر وہ اسے "قصیدۂ نعتیہ درشان اتاترک علیہ السلام" کے نام سے موسوم کرتے تو زیادہ موزوں ہوتا۔ پوری کتاب کو پڑھنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا ترکی میں ایک نبی مبعوث ہوا تھا جو تمام ممکن التصور کمالات کا مجموعہ' جملہ عیوب و نقائص سے منزہ' اور بڑی حد تک فوق البشری قوتوں سے مسلح تھا۔ زندگی بھر اس نے جو کچھ کیا خوب ہی کیا' قسم کھانے کو بھی کہیں اس سے غلطی سرزد نہ ہوئی' جہاں جس کسی انسان سے بھی اس کا اختلاف ہوا وہاں وہی حق پر تھا اور اس سے اختلاف کرنے والا ہی برسرغلط بلکہ اخلاقی گنہگار تھا' اس کے جن جن افعال پر دنیا میں کہیں کسی وقت نکتہ چینی کی گئی ہے' ان سب میں وہ خطا و لغزش سے پاک نظر آتا ہے اور خطا اگر پائی جاتی ہے تو خود نکتہ چینوں میں نہ کہ حضرت اتاترک میں۔ قصہ مختصر یہ کہ مصنف کے الفاظ میں "اتاترک کی شخصیت قدیم اور جدید تاریخ میں بالکل منفرد نظر آتی ہے اور ڈھونڈے سے بھی کوئی ان کا مثیل نظر نہیں آتا"۔ صلوا علیہ و آلہ۔

یہ تمام مبالغہ جس شخص کے حق میں کیا گیا ہے اسے مرے ہوئے ابھی کچھ بہت زیادہ دن بھی نہیں گزرے ہیں کہ ماضی کے دھندلکے سے فائدہ اٹھا کر اسے دیوتا بنا ڈالا جائے۔ پرانے زمانے کے مچھر کو آج ہاتھی بنایا جاسکتا ہے مگر ہم عصروں کی آنکھوں میں آپ کہاں تک خاک جھونکیں گے۔ بلاشبہ اتاترک ایک

اچھا جنرل تھا۔ قیادت کی بعض صلاحیتیں بھی اس میں پائی جاتی تھیں۔ سیاسی تدبر بھی ایک حد تک اس میں موجود تھا۔ اس کی رہنمائی میں ایک شکست خوردہ قوم تباہی سے بچ گئی اور اس نے اپنے قومی وطن کو پھر سے ایک آزاد سلطنت بنا لیا۔ اس کارنامے پر اس کی جتنی چاہیے تعریف کر لیجیے۔ لیکن تہذیبی و تمدنی مسائل میں اس کے علم و بصیرت کا معیار ہمارے کالجوں سے نکلے ہوئے عام "صاحب بہادروں" سے کچھ بھی زیادہ اونچا نہ تھا۔

اپنے ملک کو آزاد کرانے کے بعد جب احسان مند ترکی قوم کو اس نے اپنا گرویدہ پایا تو اسے اپنے متعلق یہ غلط فہمی ہو گئی کہ میں حکیم بھی ہوں اور ایک نئی قوم کی تعمیر بھی صحیح طور پر کر سکتا ہوں۔ اس غلط فہمی کی بنا پر اس نے ترکی قوم کی تعمیر جدید کا کام تنہا اپنے ہاتھ میں لے لیا اور ان تمام لوگوں کو جو اس معاملے میں کم از کم اس سے زیادہ علم و بصیرت رکھتے تھے' میدان سے ہٹا دیا۔ اس طرح مختار مطلق بننے کے بعد اس نے جو کچھ کیا' مغربی تہذیب کا ہر مشرقی نقال اس کے سے اختیارات پا کر وہی کرتا۔ کسی مجتہدانہ فکر' کسی قوت انتخاب' کسی صلاحیت تنقید اور کسی آزادانہ اختراعی قابلیت کا اس کے پورے کارنامے میں ادنیٰ سا شائبہ تک نہیں ملتا۔ خیالات' اصول' طریقے' سب ہی چیزیں تو وہ مفلس دماغ کا انسان یورپ سے مانگ لایا اور اپنے ذاتی اجتہاد سے ذرہ برابر کام لیے بغیر جوں کا توں اپنی قوم کے سر منڈھتا چلا گیا۔ اس بیچارے میں اتنی تمیز بھی نہ تھی کہ یورپ کے اسباب عروج اور اسباب تنزل میں فرق کرتا۔ عام سطحی النظر لوگوں کی طرح اس نے بھی یہی سمجھا کہ برسر عروج قوموں کی ہر چیز اچھی۔ چنانچہ وہ مفید چیزوں کے ساتھ ایسی بیماریاں بھی ترکی میں لے آیا جن کی وجہ سے خود یورپ کی زندگی آج تباہ ہو رہی ہے۔

یہ کون سا ایسا بڑا کارنامہ ہے جس کی بنا پر اس شخص کو آسمان پر چڑھایا جاتا ہے؟ دنیا کے تہذیبی معماروں کی صف اول میں تو درکنار وہ غریب تو ان کی صف آخر میں بھی جگہ پانے کے قابل نہیں۔ ایک کاپی نویس کی آپ اس حیثیت سے جتنی چاہیے تعریف کر لیجیے کہ بہت صحیح نقل کرتا ہے اور نقل و اصل میں ذرا فرق باقی نہیں رہنے دیتا۔ مگر کیا انشا پردازوں کی مجلس میں اس کو دہلیز پر بھی کھڑے ہونے کی جگہ مل سکتی ہے؟ ہم یورپ کے ان ناخدا شناس مفکرین کی قدر کر سکتے ہیں جنھوں نے اپنے زور طبع سے کسی نئے نظام فکر و مذہب عمل کی بنا رکھی۔ مگر اتاترک اور رضائے پہلوی جیسے تھرڈ کلاس آدمیوں کی ہم کیا قدر کریں جن کی پوری زندگی سے ایک اجتہادی کارنامہ بھی نکال کر نہیں بتایا جا سکتا۔

اتاترک کی مبالغہ آمیز تعریف سے تو مصنف نے صرف اتنا ہی ظاہر کیا تھا کہ ان کا معیار کمال انسانی کتنا بلند ہے' مگر جہاں انھوں نے اپنے ممدوح کو مسلمان اور وہ بھی پکا مسلمان ثابت کرنے کی کوشش کی ہے' وہاں یہ راز بھی فاش ہو گیا کہ ماشاء اللہ ان کو اضداد کے جمع کرنے میں بھی پورا کمال حاصل ہے۔ دیباچے

میں جب ہم نے ان کے یہ الفاظ پڑھے کہ "اتاترک کے الحاد و بے دینی کے افسانے" یورپ کی خبر رساں ایجنسیوں کے پھیلائے ہوئے ہیں اور ہندستان کے "قدامت پرستوں" کا گروہ محض مغربی پروپیگنڈے کا شکار ہوگیا ہے تو ہمیں توقع ہوئی کہ آگے چل کر شاید کچھ اتاترک کے مسلمان ہونے کی ایسی شہادتیں پیش کی جائیں گی جو اس پروپیگنڈے کی پوری طرح تردید کر کے اس کی دین داری ثابت کر دیں گی۔ مگر جب اس بحث کا موقع آیا تو ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ فاضل مصنف نے انھی تمام چیزوں سے اتاترک کے مسلمان ہونے کا ثبوت دیا ہے جو دراصل اس شخص کے نامسلمان ہونے کا ثبوت ہیں۔

وہ خود تسلیم فرماتے ہیں کہ اتاترک نے اسلامی قانون ترکی قلمرو سے یک قلم منسوخ کر کے جرمنی کا تجارتی قانون، اٹلی کا فوجداری قانون اور سوئٹزرلینڈ کا دیوانی قانون جاری کیا۔ وراثت میں عورتوں اور مردوں کو مساوی قرار دیا۔ تعدد ازواج کو قانوناً ممنوع ٹھیرایا۔ مصوری، بت تراشی اور موسیقی کے معاملے میں وہ "مذہبی یا اخلاقی نقطۂ نظر کے قائل نہ تھے" اور "ترکوں کے دماغوں سے اس مذہبی خیال کو محو کرنے کے لیے" انھوں نے خود اپنے اور اپنے ساتھیوں کے بت بنوا کر انقرہ، سمرنا اور قسطنطنیہ میں شاہراہوں پر نصب کرائے، مصوری کے اسکول اور کالج قائم کیے، اور مہذب اقوام کے مختلف طرز کے رقص رائج کیے۔ "ترقی نسواں" کے سلسلے میں انھوں نے پردے کا کلی استیصال کیا اور ترکی عورتوں کو آزادی کے ٹھیک اس مقام پر لا کر کھڑا کر دیا جس پر ان کی مغربی بہنیں اس وقت کھڑی ہیں۔

ان سب واقعات کو بیان فرمانے کے بعد جناب مصنف پھر اپنی اس شکایت کو دہراتے ہیں کہ "ان انقلابی اصلاحات کے نفاذ سے یورپ کی بعض حریف قوتوں کو ترکی جمہوریہ اور غازی پاشا کی ذات کے خلاف، بے دینی اور لامذہبی کے پروپیگنڈے کا موقع ہاتھ آگیا" اور یہ کہ "اس غلط پروپیگنڈے سے اسلامی ممالک میں غازی پاشا اور ان کی حکومت کے خلاف عام طور پر بدظنی سی پیدا ہوگئی"۔ سبحان اللہ! قرآن کے صریح احکام سے بغاوت، اسلامی قانون کی مکمل تنسیخ اور اسلام کے اصول تہذیب و تمدن سے کلی انحراف کے بعد بھی بے دینی و لامذہبی کا قصہ صرف "غلط پروپیگنڈا" ہی رہا اور ان حرکات سے مسلمانوں نے جو کچھ نتیجہ نکالا اس کی حقیقت "بدظنی" سے زیادہ کچھ نہ نکلی۔

فاضل مصنف جس امت سے تعلق رکھتے ہیں اس کی زبان میں ہر "تغیر" کا نام "اصلاح" ہے۔ قرآن نے جو قانون پیش کیا ہے اس کو بدل ڈالنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کی ہوئی تہذیب کے اصولوں کو منسوخ کر دینا بھی ان لوگوں کے نزدیک "اصلاح" ہی کی تعریف میں آتا ہے۔ ان کو ایسی رائے رکھنے کا پورا حق ہے اور ہم اس حق کو ان سے سلب نہیں کر سکتے۔ مگر ہمیں اعتراض جس چیز پر ہے وہ صرف یہ ہے کہ آخر یہ لوگ متضاد باتیں کیوں کرتے ہیں۔ مسولینی نے اشتراکیت کو رد کر دیا اور اس کی جگہ

فاشزم اختیار کرلیا۔ ہر صاحب عقل آدمی اس واقعے کو بطور ایک واقعہ کے تسلیم کرے گا اور کہہ دے گا کہ مسولینی اشتراکی نہیں رہا بلکہ فاشست ہوگیا۔ ایک مسلک سے ارتداد کے بعد بھی کسی شخص کو کھینچ تان کر اسی مسلک کا پیرو ثابت کرنا ظاہر ہے کہ کسی صحیح الدماغ آدمی کا کام نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ ہمارے ہاں "غیر مسلم مسلمانوں" کا ایک عجیب الخلقت گروہ پیدا ہو رہا ہے جو اسلام کے نظام فکر اور اس کے اساسی قانون سے بغاوت کرکے ایک دوسرے نظام فکر و قانون حیات کو علانیہ قبول کرلیتا ہے اور پھر اصرار کے ساتھ کہتا ہے کہ ہم اس رد و قبول کے بعد بھی ویسے ہی مسلمان ہیں جیسے اس حادثے سے پہلے تھے۔ کیا یہ تناقض بیان کسی ذہنی الجھاؤ کی وجہ سے ہے' یا ان لوگوں میں ابھی اتنی قدامت پرستی باقی ہے کہ ایک پرانا فرسودہ نام جو باپ دادا کے وقتوں سے چلا آ رہا ہے اس کو کسی حال میں یہ چھوڑنے پر راضی نہیں ہوتے؟

یہ تبصرہ کچھ ضرورت سے زیادہ طویل ہوگیا ہے مگر مصنف کے چند "شاہکار" فقروں کی زیارت سے ناظرین کو محروم رکھنا ظلم سے کم نہ ہوگا۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

> وہ ترکی آداب و معاشرت اور رسم و رواج تک میں مانگے تانگے کا کوئی حقیر جز بھی دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ حتیٰ کہ ترکی زبان تک کو بھی' جس میں صدیوں سے ایرانی اور عربی زبانوں کے بیشتر الفاظ گھل مل چکے تھے اور الفاظ بھی ایسے جن کے بدل ترکی زبان میں نہ مل سکتے تھے' غازی پاشا نے غیر ملکی الفاظ سے پاک کردیا۔

خط کشیدہ فقرے کی تشریح میں اگر لگے ہاتھوں یہ بھی ثابت کر دیا جاتا کہ ہیٹ اور لاطینی رسم الخط دراصل ترکوں سے یورپ والے مانگ لے گئے ہیں' تجارتی' فوجداری اور دیوانی قوانین دراصل ترکی میں بنے تھے جنھیں اٹلی' جرمنی اور سوئٹزرلینڈ کے لوگ لے اڑے اور انقرہ کی عمارات جس طرز تعمیر پر بنی ہیں وہ ترک اپنے ساتھ وسط ایشیا سے لائے تھے' تو یہ ایسا تاریخی انکشاف ہوتا جس پر ساری دنیا انگشت بدنداں رہ جاتی۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے:

> ترک ایک نئی قوم بن گئے۔ نئے نئے حوصلے اور نئے نئے ارادے ان میں پیدا ہو گئے۔ مغربی تمدن کا طلسم ٹوٹ چکا اور اسی کے ساتھ یورپ سے ان کی وہ مرعوبیت بھی رخصت ہوئی جو صدیوں سے ان کے دلوں میں گھر کیے ہوئے تھی۔

دنیا میں آج تک جتنے طلسم ٹوٹے ہیں ان میں اس طلسم کا ٹوٹنا بس آپ ہی اپنی نظیر ہے۔ ظالم کچھ اس طرح ٹوٹا کہ پورے ملک میں اب وہی وہ نظر آتا ہے۔ اس نرالی قسم کی شکست نے تو لغت میں "طلسم ٹوٹنے" کا مفہوم ہی بدل ڈالا۔ اور یہ مرعوبیت کے رخصت ہونے کا معاملہ بھی کچھ کم عجیب نہیں۔ بکری میں

اتنی ہمت تو تھی نہیں کہ بکری رہتے ہوئے بھیڑیئے سے نہ ڈرتی۔ اب اس نے بھیڑیئے کی کھال اوڑھ لی ہے اور اپنی چال' آواز' ہر چیز میں بھیڑیوں کی نقل اتار رہی ہے تاکہ بھیڑیئے اسے اپنا ہم جنس سمجھ کر چھوڑ دیں۔ ہم تو خدا سے چاہتے ہیں کہ بیچاری اسی چال کی بدولت جیتی رہ جائے' مگر مشکل یہ ہے کہ سابقہ ان گرگان باراں دیدہ سے ہے جو اپنی جنس کے بہت سے بھیڑیوں کو پھاڑ چکے ہیں۔ کاش اس جاہل اتاترک نے قرآن اور سیرت محمدیؐ کا مطالعہ کیا ہوتا اور ترکی قوم پرستی کے بجائے اسلامی آئیڈیالوجی کی بنیاد پر ترکی جدید کی تعمیر کی ہوتی! اس کو اگر معلوم ہوتا کہ ایک محدود قومیت کی طاقت اور ایک عالم گیر تبلیغی مسلک کی طاقت میں کتنا عظیم تفاوت ہوتا ہے' تو وہ اپنی قوم کو پولینڈ' ہالینڈ اور بلجیم کی سی پوزیشن میں چھوڑ کر نہ جاتا بلکہ روسی اشتراکیت سے بیس گنی زیادہ زبردست طاقت کے ساتھ چھوڑتا۔

مصنف کا سب سے زیادہ دلچسپ فقرہ یہ ہے اور بس اسی پر خاتمہ کلام ہے:

> انھوں نے مذہب کی اصلی روح کو برقرار رکھتے ہوئے درویشوں اور مولویوں کی خود ساختہ اجارہ داری کو ختم کر دیا۔ امتداد زمانہ کے باعث توہمات نے جو اعتقادات کی صورت اختیار کر لی تھی انھیں دور کر دیا..... مذہب اسلام کے متعلق اتاترک کا نظریہ یہ تھا کہ مذہب تمدنی ترقیوں کی راہ میں حائل نہیں بلکہ دنیا کے سارے مذاہب میں صرف مذہب اسلام ہی ایسا مذہب ہے جس میں دنیاوی ترقیوں کا ساتھ دینے کی پوری پوری صلاحیت موجود ہے۔ اس میں اگر کوئی کمزوری ہے تو وہ درویشوں اور مولویوں کے وجود سے پیدا ہو گئی ہے..... اسی خیال کے ماتحت ترکی سرزمین کو اتاترک نے ملاؤں اور درویشوں کے وجود سے پاک کیا اور ترکوں کو مذہب اسلام کی اصلی روح سے مانوس ہونے کا موقع دیا اور فی الحقیقت اتاترک کا یہ اتنا بڑا کارنامہ ہے کہ مذہبی اصلاح کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

شان دار مگر بے معنی الفاظ کا کتنا عجیب مجموعہ ہے! ان لوگوں کے لچک دار اسلام کی کیا تعریف کی جائے' اس کم بخت میں اس غضب کی لچک موجود ہے کہ دنیاوی "ترقیوں" کی خاطر قرآن کا قانون منسوخ کر دینے تک کی گنجایش اس میں نکل آتی ہے۔ اور اس "مذہب اسلام کی اصلی روح" کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ ملا اور درویش کو سامنے رکھ کر اس طرح ڈائنامائیٹ سے اڑایئے کہ قرآن و سنت بھی ساتھ ساتھ اڑ جائیں۔ اس کے بعد جو کچھ بچ رہے' اس کا نام "خالص روح اسلام" ہے! (مطبوعات' ترجمان القرآن' ابوالاعلیٰ مودودیؒ' جلد ۱۶' عدد ۳ - ۴' ماہ ربیع الاول و ربیع الاخر ۵۹ ۱۳ھ' مئی و جون ۱۹۴۰ء' ص ۳۲۲-۳۲۷)۔

"اسلوب دعوت' قرآن و سیرتؐ کی روشنی میں" سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی دوسری قسط آیندہ شمارے میں ملاحظہ فرمایئے۔ (ادارہ)